# عشق کی سلطنت

ڈاکٹر شیخ محمد حسنین*

Sheikh.hasnain26060@gmail.com

**کلیدی الفاظ** : عشق، سلطنت، امام حسینؑ، چہلم، مسیح، سقراط، زائرین، کربلا، نجف، سماج، مدینۂ فاضلہ۔

## خلاصہ

یہ مقالہ مجلّہ نور معرفت کے 26ویں شمارے میں چھپنے والے "ایک آسمانی شہر کی سیاحت" نامی سفر نامے کی دوسری قسط ہے۔ یہ قسط بھی تخیلات سے کہیں زیادہ حقائق پر مبنی ہے۔ اس قسط کا مرکزی خیال یہ ہے کہ ہمارے کرۂ خاکی پر "مدینۂ فاضلہ" سے کہیں بہتر "عشق کی سلطنت" آباد کرنا عین ممکن ہے۔ لیکن اِس شہر کی بنیاد، فلسفی حکمت پر نہیں، قلبی عشق پر رکھی جائے گی۔ اس مقالہ میں عشق کی سلطنت کے حاکم کی خصوصیات اور اس کے باشندوں کا رہن سہن اور ان کی اجتماعی زندگی کا اجمالی خاکہ بیان کیا گیا ہے۔

مصنّف کے بقول، عشق کی سلطنت کا حاکم فقط حسین ابن علی علیہ السلام جیسا معصوم امام ہی بن سکتا ہے جس میں صبرِ مسیح ؑ اور جرأت سقراط سے بڑھ کر صبر و جرأت پائی جاتی ہو۔ جو کربلا کے دشتِ بلا و غم میں اپنا سب کچھ لٹانے کے بعد بھی خدائے یکتا کی بارگاہ میں " صبراً علیٰ قضائہ و تسلیماً لامرہ" کا نعرہ بلند کر سکتا ہو۔ نیز عشق کی سلطنت کے باشندے وہ بن سکتے ہیں جو باہمی اخوّت، رواداری، ایثار اور خیر سگالی کے جذبے کے تحت اجتماعی زندگی گزارتے ہوں اور اچھے، برے، سب حالات میں سلطنت کے وفادار رہیں۔

اِس مقالہ میں انسانی سماج کے معماروں کو یہ دعوت دی گئی ہے کہ اگر وہ کسی اعلیٰ انسانی سماج کی تشکیل کے درپے ہیں تو عشق کی سلطنت کا مشاہدہ کرنے کی غرض سے سید الشہداء کے چہلم کے موقعہ پر نجف و کربلا میں جمع ہونے والے کروڑوں زائرین کے عظیم الشان اجتماع کی روئیداد کا مطالعہ کریں۔

* ۔ ڈائریکٹر نور الہدیٰ مرکز تحقیقات، استاد اصول و فقہ و فلسفۂ اسلامی، جامعۃ الرضا، بارہ کہو، اسلام آباد۔

ہم نے یہ رات **الکوت** کے شہر میں بسر کی تھی۔ اور آج صبح جب ہمارے مہربان میزبانوں نے ہمیں شہر کے جنرل بس سٹینڈ پر اتارا تو ایک ایسا عالم دیکھنے میں آیا کہ میزبان اور مہمان دونوں مات و مبہوت رہ گئے۔ دراصل، کوت کا شہر، دریائے دجلہ کے کنارے واقع ہے اور دریائے دجلہ میں ضرور سیلاب آتا ہے۔ لیکن جو سیلاب گذشتہ شب آیا، اِس شہر میں ایسے سیلاب کا کوئی سابقہ نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے کرم فرما بھی اُس رات پیش آنے والی صورتحال کا صحیح اندازہ نہ لگا سکے اور ہمیں بھی معلوم نہ تھا کہ ہم دجلہ کے کنارے تو کیا، دو ایسے طوفانی دریاوں کے سنگھم پر رات گزار رہے ہیں جو پانی کے قطروں سے نہیں، اشکوں کے قطروں سے بنے ہیں۔

درحقیقت، اس شہر میں دو طرف سے حضرت امام حسین علیہ السلام کے زائرین کا سیلاب امڈ آیا تھا۔ جنوب میں کوئی 330 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع بصرہ سے، اور بصرہ سے بھی دور، خرم شہر کی ایرانی بارڈر سے زائرین کا ایک دریا، نجف کے بحرِ ولایت میں گرنے کے لئے ٹھاٹھیں مارتا آگے بڑھ رہا تھا اور شمال مشرق میں کوئی 85 کلومیٹر کے فاصلے سے مہران بارڈر سے پیر و جوان زائرین کا دوسرا دریا بھی الکوت کی جانب بہتا نجف کے ساحل کی طرف بڑھ رہا تھا۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کے چہلم میں شرکت کی غرض سے ایران، پاکستان اور انڈیا جیسے ممالک کے باشندے کچھ اِس طرح نجف اشرف کی طرف رواں دواں تھے جیسے کوہ ہمالیہ کی بلندیوں سے پگھلنے والی برف کا پانی بحیرۂ عرب میں جا گرنے کے لئے رواں دواں ہو۔ مجھے تو دور دراز کے علاقوں سے نجف اور کربلا کی طرف بڑھتے قافلوں اور کوہ ہمالیہ سے بحیرۂ عرب کی طرف بڑھتے ندی نالوں اور دریاوں میں بڑی مماثلت نظر آئی۔ جو پانی چکر (Water Cycle) بحیرۂ عرب کے پانی اور کوہ ہمالیہ کی چوٹیوں پر جمی برف کے درمیان نظر آتا ہے، وہی حضرت امام حسین علیہ السلام کے زائرین اور نجف و کربلا کے درمیان نظر آ رہا تھا۔

پانی چکر میں آفتاب کی تمازت کے نتیجے میں سمندروں کے دل سے بادلوں کا خمیر مایہ اٹھتا ہے، بادل بنتے ہیں جنہیں ہوائیں اڑاتی، آسمانوں کی سیر کراتی، کوہ ہمالیہ کی چوٹیوں تک لی جاتی ہیں اور جب یہ بادل اِن بلندیوں کی سرد فضا میں پہنچتے ہیں تو برف بن جاتے ہیں۔ کچھ عرصہ اپنے سرچشمۂ حیات سے دوری کے بعد جب آفتاب کی تمازت کے نتیجے میں یہ برف پگھلتی ہے تو ندی نالوں کی صورت میں بہتی، دریا تشکیل دیتی، وہاں پہنچتی ہے جہاں سے اُس کا خمیر اُٹھا تھا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کا چہلم منانے کی غرض سے

کربلا و نجف کی طرف رواں دواں قافلوں کی داستان بھی بالکل ایسی ہی تھی۔ اِن کا خمیر مایہ بھی مشیت الٰہی کی طمازت کے نتیجے میں کربلا و نجف میں مدفون معصوم ائمہ طاہرین علیہم السلام کی ولایت کے سمندر سے اٹھا تھا۔ جیسا کہ حضرت امام صادق علیہ السلام سے منقول ہے:

شِيعَتُنَا خُلِقُوا مِن فَاضِلِ طِينَتِنَا وَعَجِنُوا بِمَاءِ وِلَايَتِنَا (1)

یعنی: "ہمارے شیعوں کا خمیر، ہماری اضافی طینت سے اٹھایا اور ہماری ولایت کے پانی میں گوندھا گیا ہے۔"

لہٰذا مجھے یہ کہنے دیجئے کہ زائرین کے ان قافلوں کی مثال، بالکل اُس پانی کی مانند ہے جسے مشیت الٰہی کے آفتابِ عالم تاب کی طمازت نے بخارات بنایا اور گردش زمانہ کی ہوائیں اڑاتی دور دراز کی سرزمینوں تک لے گئیں۔ یہ وہاں کے سرد ماحول میں کچھ عرصہ منجمد رہے۔ لیکن اس سال بھی ہر سال کی طرح، محرم الحرام میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کی سوزش نے اِن کے قلوب کو ایسا گرمایا کہ یہ دل رکیک ہوکے قطرے بننے اور اشکوں کی صورت، آنکھوں سے ٹپکے۔ مظلومِ کربلا کی شہادت کے غم نے زائرین کے ابدان کو بھی ایسا گھائل کیا کہ وہ ندیوں، نالوں اور دریاوں کی طرح زمین و آسمان کے راستوں، جوق در جوق نجف اور کربلا کی طرف بہہ چلے۔ اِن کے تار و پود میں ولایت معصومین علیہم السلام کے آبِ زلال کی چاشنی اور اِن کی آنکھوں میں غمِ حسینؑ میں بہنے والے اشکوں کی کہانی رچی بسی تھی۔ یہ ایک قتیل العبرات (آنسووں کے کشتہ) کا چہلم منانے نجف و کربلا جارہے تھے۔ ہر شخص کی زبان پر بس ایک ہی جملہ تھا: "**یا حسینؑ**!" یہ جملہ اُن کے خشک ہونٹوں سے نکلتا اور آنکھیں بھگو دیتا تھا۔ **درحقیقت، ہونٹوں پہ "یا حسینؑ!" اور آنکھوں میں "اشک" عشق کی سلطنت کے ہر باشندے کی بنیادی شناخت ہے۔** جس کے پاس یہ سند نہ ہو وہ عشق کی سلطنت کا مسافر یا سیّاح تو ہو سکتا ہے، باشندہ تصوّر نہیں کیا جاسکتا۔

☆☆☆☆

معاف کرنا! میرے قلم کی مطلق العنانی، بعض اوقات مجھے اِس کی عنان سنبھالنے سے عاجز کر دیتی ہے اور آج تو ویسے بھی اس کی حکمرانی ہے کیونکہ کربلا کے مسافروں کی داستان رقم کر رہا ہے۔ بات یہاں سے ایک اور سمت نکلی کہ آج صبح جب ہمارے میزبانوں نے ہمیں **الکوت** شہر کے جنرل بس سٹینڈ پر اتارا تو اتنا رش لگا تھا کہ میزبان اور مہمان دونوں مات و مبہوت رہ گئے۔ ہر طرف حضرت امام حسین علیہ السلام کے

زائرین نظر آ رہے تھے۔ ان میں سے اکثر نجف کے راہی تھے؛ لیکن آج نجف کی کوئی گاڑی میسر نہ تھی۔ یہ حالت دیکھ کر شوق اور خوف کا ملا جلا احساس ابھر رہا تھا۔ گویا ایک بار پھر ہمیں خوف و رجاء کی وادی میں اتارا گیا۔ خوف اس بات کا کہ الکوت سے نجف کا فاصلہ تقریباً 205 کلومیٹر بتایا جاتا ہے اور یہ فاصلہ طے کرنے کے لئے کوئی گاڑی میسر نہ تھی۔ اُمید یہ لگی تھی کہ کوئی نہ کوئی بندوبست ہو ہی جائے گا۔

لیکن خوف و رجاء کی آمیزش سے ایک تیسری کیفیت جنم لے رہی تھی اور یہی اصل کیفیت تھی۔ کیونکہ یہ شوق کی کیفیت تھی۔ میں تو اِس کیفیت سے اُس وقت گذرا جب چند ایرانی زائرین ایک وین ڈرائیور سے نجف لے جانے کی بات کر نا چاہتے تھے۔ ان کے ہمراہ چند بیبیاں بھی تھیں۔ ایرانیوں کو عربی نہیں آتی تھی۔ ہمارے ساتھیوں میں سے ایک کو اُن کی ترجمانی کا فریضہ انجام دینا پڑا۔ وین ڈرائیور کہہ رہا تھا کہ نجف سے ایک سو کلومیٹر کے فاصلے تک راستہ بلاک ہے، گاڑی نہیں جا سکتی۔ اِن بیبیوں کا کہنا تھا کہ ڈرائیور سے کہہ دو ہمیں نجف سے ایک سو کلومیٹر کے فاصلے پر ہی اتار دے۔ باقی ماندہ راستہ ہم پیدل چلیں گے، چلنے ہی تو آئے ہیں۔ یقین جانیے! یہ سُن کر میں تو لمحہ بھر کے لئے شوق کی وادیوں میں کھو گیا۔ واہ! اُس ناز پروردہ معاشرے سے تعلق رکھنے والی بیبیاں جو چند قدم کا سفر کاٹنے کے لئے بھی گھر کے دروازے پر ٹیکسی منگواتی ہیں، آج سراپا راہ نوردِ شوق بنی، کسی محمل و ساربان کے بغیر، خارِ مغیلاں پہ سفر کرنے کے لئے آمادہ نظر آئیں! ع "یہ عالم شوق کا دیکھا نہ جائے!"

البتہ شوق کا جو عالم میں نے دیکھا، حضرت امام حسین علیہ السلام کے چہلم پر جانے والا ہر زائر ایسے کئی عوالم کا مشاہدہ کرتا ہے۔ یہ الگ بات کہ ہر فرد اپنے مشاہدات کو سپردِ قلم نہیں کر سکتا۔ لیکن جو مشاہدات کو قلم کی زبان عطا کر سکتے ہیں وہ انہیں ضرور قلمبند کرتے ہیں۔ اسد کاظمی نے بھی ایک ایسا مشاہدہ قلمبند کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

**"رات تاریک تھی اور ہوا بے مہر۔۔ پاؤں رکھنے کو ہموار زمین تک نہ تھی اور نہ ہی آنکھوں میں اتنی سکت کہ زمین کے نشیب و فراز کی گتھیاں سلجھا سکتیں، کیونکہ غور سے دیکھنے کے لئے توقف درکار تھا اور توقف وہاں کہاں تھا؟ چاروں جانب گاڑیاں، کاریں، بسیں، ٹرالر، سائپا کے وانٹ، چھوٹے اور بڑے ٹرک، الغرض ہر قسم کی چیزیں موجود تھیں۔۔ لمبی قطاریں اور چیختے ہارن۔۔ رات کا آخری پہر آخری دموں پہ تھا اور یہ کچھ جاننے والے ہی جانتے ہیں کہ رات کے آخری پہر کی سرد مہری کیسی ہوتی ہے۔۔۔ میں نے موبائل فون میں جھانکا۔۔ چار بج کر چوبیس منٹ ہوئے تھے۔۔۔ ایسے وقت میں**

**تو تہجد گذار بیبیاں بھی اپنے گھروں سے نکلنے کا سوچتی تک نہیں۔۔میں نے ایک بچہ گاڑی کے پاس سے گذرتے ہوئے سوچا۔۔"یہ کون سی کشش ہے جو رات کے اس پہر میں ان معصوم بچوں کو ماؤں سمیت کشاں کشاں لئے جاتی ہے؟"۔۔بچہ گاڑی پھنس گئی تھی اور مادر شیر خوار کا زور اسے نکالنے کو ناکافی تھا۔۔میں نے ہاتھ آگے بڑھایا۔اور بچہ گاڑی پتھروں میں راستہ بناتی آگے چل پڑی۔۔میں نے بے ساختہ اپنا وہی گرد آلود ہاتھ اپنی آنکھوں پہ رکھ لیا۔۔"(2)**

سبحان اللہ! ایک ماں کا سخت سردیوں کی رات، صبح چار بجے، اپنے شیر خوار معصوم کو بچہ گاڑی میں ڈالے کربلا کی طرف کشاں کشاں پیدل سفر! (یاد رہے! اِس بی بی اور اُس کے شیر خوار کی تصویر نہیں اتاری جا سکی۔تاریکی تو تھی ہی، لیکن قلبی کیفیات کو Capture کرنے کے لئے کوئی کیمرہ بھی ایجاد نہیں ہوا) سبحان اللہ! ایک پردہ نشین بی بی کا خوشی خوشی 100 کلو میٹر کا فاصلہ پیدل چلنے کا عزم وارادہ اور جوش وولولہ! سبحان اللہ! ایک بڑھیا ماں کا بچوں کی طرح ویل چیر پر سینکڑوں کلو میٹر کا سفر! اور یہ طفلِ معصوم جو ابھی اپنے قدموں پر کھڑا نہیں ہو سکتا لیکن ہاتھوں اور زانوؤں کے سہارے علی اصغرؑ کا غم منانے چلا ہے۔یقیناً اِس عزم وارادے کی توضیح و تفسیر، عصر حاضر کے میٹیریالسٹ ماہرین انسانیات کے بس کا روگ نہیں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ میرے لئے تعجب سے بڑھ کر اِس سوال کا جواب ڈھونڈنا اہمیت اختیار کر گیا کہ ایسے لوگوں کے لئے جو حضرت امام حسین علیہ السلام اور آپؑ کے عشق سے آشنا نہیں، عشقِ حسینؑ کے ان بے نظیر مظاہر کی کیا توجیہات پیش کی جا سکتی ہیں؟ یقیناً یہ معمہ ہمارے لئے حل شدہ ہے کہ جن بیبیوں کے دلوں میں ایک ایسے امام کی زیارت کا شوق موجزن ہو جس کی دلدادہ بہن نے مدینہ سے کربلا، کربلا سے کوفہ، کوفہ سے شام، شام سے کربلا اور کربلا سے مدینہ تک کا اتنا طولانی اور طاقت فرسا سفر محض امامت کا حق ادا کرنے کے لئے طے کیا، ایسی بیبیوں کے لئے اُس امام کے چہلم کا حق ادا کرنے کے لئے 100 کلو میٹر کا پیدل سفر طے کرنا کوئی بڑی بات نہیں ہے۔

لیکن اس سفر نامے کے بیان میں میرا اصل مخاطب تو ایسے لوگ ہیں جنہیں کسی نے کربلا کی کہانی نہیں سنائی۔یقیناً ایسے لوگوں کو یہ راز سمجھانے کے لئے میں اپنی بات کا آغاز یہاں سے کرنا چاہوں گا کہ **عشق کی سلطنت کے باشندوں کی دوسری اہم شناخت یہی ہے کہ وہ امام حسین علیہ السلام کے عاشق ہوتے ہیں۔** دراصل، عشق، چاہت کے شباب کا نام ہے اور چاہت، ارادے کی گود میں جنم لیتی ہے۔فلسفیوں کے بقول

ارادہ بذات خود معرفت کا محتاج ہے۔ لہٰذا انسانی عشق و شوق اور عزم و ارادے کی جن کیفیات کا بیان اوپر گزرا، اُن کی گہرائی تک پہنچنے کے لئے ہمیں حضرت امام حسین علیہ السلام کی معرفت درکار ہے۔ امام حسین علیہ السلام کون ہیں؟ آپؑ کی معرفت کیا ہے؟

یقیناً ایک سفر نامے میں اس موضوع پر کوئی تفصیلی بات نہیں بتائی جا سکتی۔ بس اتنا جان لینا ضروری ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام، بوستانِ بتول سلام اللہ علیہا میں اگنے والے اُس سروِ آزادی کا نام ہے جس نے صرف اللہ تعالی کے ذات کے سامنے سر جھکانا سیکھا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ظلم و استبداد کے سامنے سر جھکانے سے واضح انکار کیا۔ یزید یہ چاہتا تھا کہ آپ کا سر اپنے آستانۂ جبر و استبداد پر جھکا دے لیکن وہ ایسا نہ کر سکا۔ آپؑ کا سر کاٹا تو جا سکا، جھکایا نہ جا سکا۔ اور جب آپؑ کا سر کاٹ کر نیزے کی نوک پر چڑھایا گیا تو یہ قرآنِ ناطق، ایسا ناطقِ قرآن بنا کہ خود کھلی کتاب بن گیا۔ لہٰذا اب قیامت تک قرآن کی تلاوت کے ساتھ ساتھ حضرت امام حسینؑ کی کہانی بھی دہرائی جاتی رہے گے۔

ہر سال لاکھوں، کروڑوں مسلمان اِس نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہلم منانے نجف و کربلا میں جمع ہوتے رہیں گے۔ اور جگر گوشۂ بتول قیامت تک اپنے چاہنے والوں کو آزادی اور حرّیت کا درس دیتے رہیں گے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام اہل دنیا کے سامنے ہمیشہ کھلی، وہ روشن کتاب ہیں جس کے سرورق پر یہی لکھا ہے کہ انسان اپنے زمانے کے ظالم اور جابر حکمرانوں اور اپنے دور کے استعمار اور طاغوت سے اُس وقت نجات پا سکتا ہے جب اپنی گردن اُس یکتا معبود کی بارگاہ میں جھکا دے جس نے انسان کو اپنی بندگی پر بھی مجبور نہیں کیا۔ بلکہ اُسے بندگی اور سرکشی کے درمیان مکمل اختیار دے کر حرّیت اور آزادی کو انسان اور غیر انسان میں وجہ امتیاز بنا دیا ہے۔ اللہ تعالی نے عالمِ تکوین پر اپنا جبر حاکم فرمایا ہے لیکن عالمِ تشریع کی بنیاد اپنے بندے کے اختیار اور آزادی پر رکھی ہے۔

لہٰذا جس بندگی کی بنیاد، انسان کی آزادی اور اختیار پر نہ رکھی جائے اللہ تعالی کو وہ بندگی قبول نہیں ہے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کا سب سے بڑا کارنامہ یہی ہے کہ آپؑ نے اللہ تعالی کی بندگی کو آزادی، اختیار اور حرّیت کی وہ اساس فراہم کر دی کہ اب قیام تک اللہ کی بندگی کو کوئی جبر قرار نہیں دے سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کا تعارف کرواتے ہوئے حکیم الامت علامہ اقبال فرماتے ہیں:

بہر حق در خاک و خون غلطیدہ است پس بنائے لا الہ گردیدہ است

آپ علیہ السلام کے بارے میں علامہ اقبال کا یہ کلام بھی قابل غور ہے:

تیغ لا چون از میان بیرون کشید		از رگِ ارباب باطل خون کشید

نقش الا اللہ بر صحرا نوشت		سطر عنوان نجات ما نوشت

یعنی: "حضرت امام حسینؑ حق کی خاطر خاک و خون میں غلطاں ہو کر "لا الٰہ الاّ اللہ" کی محکم بنیاد بن گئے ۔۔۔آپؑ نے جب یزید کی بیعت کے انکار کی تلوار نیام سے نکالی تو قیامت تک کے اربابِ باطل کی رگوں کا سارا خون بہا دیا۔ آپ نے کربلا کے صحرا پر ہمیشہ کے لئے **"فقط اللہ کی بندگی"** کا نقش گاڑھ دیا اور یوں ہماری نجات کی سطر کا اصل عنوان رقم کر دیا۔"

خلاصہ یہ کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی معرفت میں کم از کم اتنا جان لینا بہت ضروری ہے کہ آپؑ وقت کی وہ گونجتی آواز ہیں جو ہر جابر و ظالم حکمران اور استعماری اور طاغوتی نظام کو للکار رہی ہے۔ اور آپ کا چہلم منانے وہی نکلیں جو آپؑ کے مکتب پر مکمل یقین رکھتے ہوں اور آپؑ کی صدائے استغاثہ پر لبیک کہہ سکتے ہوں۔

☆☆☆☆

بلند حوصلوں کے مالک تو الکوت ہی سے پیدل نجف کے طرف چل پڑے۔ ہم جیسے کمزور بدن، کمزور ایمان کسی سواری کی تلاش میں تھے۔ کافی دیر بعد ایک دیو ہیکل ٹریلر زائرین سے بھرتا نظر آیا۔ سب نے دوڑ لگائی اور سوار ہو گئے۔ شہر سے نکلے تو کسی نے راستہ روک لیا۔ میں تو پریشان ہوا کہ پولیس والوں نے روک دیا ہے، نہیں معلوم ڈرائیور ان سے کوئی مک مکا کر بھی پاتا ہے یا نہیں۔ لیکن جب مک مکا ہونے لگا تو معلوم ہوا کہ جب تک سواریاں نیاز نہ کھالیں آگے نہیں بڑھنے دیا جائے گا۔ ویسے یہ بڑا دلچسپ مک مکا تھا جو مجھے بہت یاد رہے گا۔

خیر چل پڑے لیکن ہر چند کلومیٹر کے فاصلے پر رک کر نیاز تقسیم کرنے والوں کے ساتھ کچھ نہ کچھ مک مکا کرنا ہی پڑتا۔ روڈ کے ایک طرف پیدل چلنے والے زائرین کا ٹریک تھا جو دو سو کلومیٹر پیدل چلنے کا سودا سر مول لئے سوئے منزل رواں دواں تھے۔ جوں جوں نجف اشرف کے قریب تر ہوتے جا رہے تھے لوگوں کا ہجوم بڑھتا جا رہا تھا۔ ٹریلر بھی 50 کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے زیادہ تیز نہیں چل سکتا تھا۔ لہٰذا ہمیں لگ بھگ چار گھنٹے بھاگتے ٹریلر میں پاؤں کے بل کھڑے سفر کاٹنا پڑا۔

میرے پاؤں پر سوجھن چڑھنے لگی۔ حوصلہ جواب دینے لگا۔ اِس تکلیف دہ صورتحال کو برداشت کرنا آسان نہ تھا۔ اپنے حوصلے کو امکان کی آخری حد تک بڑھایا۔ لیکن تھک اتنا گیا تھا کہ ایک قدم رکھتا، ایک اٹھاتا، وہ رکھتا، دوسرا اٹھاتا۔ بارِالٰہا! یہ سفر کب کٹے گا! میں نے زندگی میں کبھی اتنا طولانی سفر یوں کھڑے ہو کر اس کربناک حالت میں نہیں کیا تھا۔ تاہم جب میری ہمت بالکل جواب دینے لگتی تو اُن لوگوں کو دیکھ کر جوان ہونے کی کوشش کرتا جو سڑک کے دوسرے ٹریک پر پیدل چل رہے تھے۔ اس سے حوصلہ کافی بڑھ جاتا تھا۔ لیکن جو بات سب سے زیادہ حوصلہ افزا تھی وہ یہ خیال تھا کہ اُن مسافروں کے عشق میں سفر کی یہ صعوبت اٹھا رہے ہیں جنہوں نے بے پلان بھاگتے اونٹوں پر سفر کاٹے! ہم جوان ہیں، مرد ہیں، ہمارے ہاتھ پسِ گردن نہیں بندھے، ہماری گود میں معصوم بچے نہیں جن کے گر جانے کا خدشہ ہو۔

ہمارے سفر کی سختی کہاں اور اُن مسافروں کے سفر کی سختی کہاں جو بے پلان اونٹوں پر سوار تھے۔ جن کے ہاتھ پابندِ رسن تھے۔ جن میں مرد کم، کبھی سفر نہ کرنے والی بیبیاں زیادہ تھیں۔ جن کی گودیوں میں معصوم بچے بھی تھے جنہیں سنبھالا نہ جاسکتا تھا۔ ان مسافروں کو راستے میں نذر و نیاز، شربت پانی تو در کنار، دھوپ میں ٹھہرایا جاتا اور احوال پُرسی تو کجا، تازیانے مارے جاتے تھے۔ ستم بالائے ستم یہ کہ یہ کوئی عام مسافر نہ تھے۔ یہ اُس نبی کی بیٹیاں تھیں جن کی رسالت کی منافقانہ گواہی ساربان دے رہے تھے۔ یقیناً جب فوج اشقیاء سے "اشهد انّ محمدا رسول الله" کی آواز بلند ہوتی ہو گی تو رسول ﷺ کی بیٹیاں آپ کی بارگاہ میں اپنی کسمپرسی کا شکوہ ان الفاظ میں کرتی ہوں گی: "وا محمداه! صلى عليك مليك السماء و نحن بناتك سبايا" (وا محمداہ! آپ پر آسمان کے ملائکہ کا درود و سلام اور ہم آپ کی بیٹیاں قیدی بنالی گئی ہیں!)

جب ہم نجف سے کوئی بیس تیس کلومیٹر کے فاصلے پر پہنچے تو ٹریفک جام ہونے لگا۔ میری تمنا تو یہ تھی کہ ٹریلر والا ہمیں یہیں اتار دے۔ کہیں یہ بیچارہ ٹریفک میں ایسا نہ پھنس جائے کہ نکل نہ سکے۔ نیز ہماری آسانی بھی اسی میں تھی کہ نیچے اترتے تو کچھ دیر ستا لینے کا موقعہ فراہم آجاتا۔ لیکن مجھے ڈرائیور پر بہت تعجب تھا۔ گویا اُس نے اپنا عزم اس بات پر جزم کر رکھا تھا کہ زائرین کو حضرت علی علیہ السلام کے مقدس آستان کی قریبی ترین سرحد تک پہنچائے بغیر واپس نہیں لوٹے گا۔ یہاں تک کہ اس نے نجف کے اُس محلے میں پہنچا دیا جسے "نزلہ" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

جب ہم نجف پہنچے، عصر کا وقت ڈوب رہا تھا۔ سڑک کے کنارے ایک بی بی تنور پر کھڑی روٹیاں لگاتی نظر آئی۔ میں نے سوچا یہ بی بی اپنے بچوں کا پیٹ بھرنے کا بندوبست کر رہی ہے۔ لیکن جب ٹریلر سے اتر کر چند لڑکے بھاگے بھاگے تنور کی گرم گرم روٹی پر لپکے تو معلوم ہوا کہ زائرین کا پیٹ بھرنے کا بندوبست جاری ہے۔ میں نے الکوت سے یہاں تک کم و بیش کچھ نہ کھایا تھا۔ بس ایک آدھ مرتبہ نیاز لے لی تھی۔ یوں ایک لحاظ سے تو میں کامیاب ہوا کیونکہ جہاں کئی مسافرین نے رفع حاجت کی فرصت پیش نہ آنے کی مسلسل شکایت کی، میں انتہائی سکون سے رہا۔ لیکن اب 5/6 گھنٹے کی تھکاوٹ اور بھوک کے بعد تنور کی گرم گرم روٹی کھانے کو میرا جی بھی للچایا۔ اتفاق سے آدھی روٹی میرے حصے میں بھی آئی۔ گرم گرم! دو تہہ میں پکی روٹی اپنے پیٹ میں پیاز اور دھنیا جیسی نیم پکی، نیم کچی سبزیاں لپیٹے، بر گرسے کم لذیذ نہ تھی!

نجف اشرف کوئی اتنا بڑا شہر نہیں ہے۔ اس چھوٹے سے شہر میں لگ بھگ چالیس پچاس لاکھ زائرین کا بیک وقت سما جانا معجزے سے کم نہیں(3)۔ یہ معجزہ خود اہل عراق اور اہل نجف دکھاتے ہیں۔ یہاں مدینہ منوّرہ میں باندھے جانے والے عقدِ اخوت کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ کیونکہ چہلم کے موقعہ پر کسی نجفی کا گھر اُس کا شخصی گھر نہیں رہتا۔ کم و بیش ہر نجفی سال بھر اِن ایّام کے انتظار میں رہتا ہے اور مولیٰ علی مرتضیٰؑ اور مظلومِ کربلا کے زائرین کی مہمان نوازی کی تیاریاں کرتا رہتا ہے۔ لہٰذا چہلم کے ایام میں جب تک نجفیوں کے گھروں میں تل دھرنے کی گنجائش موجود ہوتی ہے، اُن کا دروازہ زائرین پر کھلا رہتا ہے۔ اور جب سب مکان بھر جاتے ہیں تو نجف کے گلی کوچے اور سڑکیں مسکن بن جاتی ہیں۔ **درحقیقت، یہ ایمانی اخوت اور ایثار و فداکاری عشق کی سلطنت کے باشندوں کی تیسری بڑی شناخت ہے۔** جس میں یہ علامت نہ پائی جاتی وہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی نگری کا باشندہ نہیں کہلا سکتا۔

☆☆☆☆

**یاد رہے!** چہلم کے موقعہ پر مولیٰ امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام کے حرم کے سنہری گنبد کو دور سے دیکھ لینا اور دُور سے آپؑ کا زیارت نامہ پڑھ لینا کافی ہے۔ لیکن اگر کوئی زائر ضریح کے پاس پہنچے بغیر اپنی زیارت کو ناقص تصور کرے تو اُسے چاہیے کہ الگ سے دھکم پیل نہ کرے؛ بلکہ اپنے آپ کو ضریح کے گرد دیوانہ وار طواف کرنے والے زائرین کی موجوں کے حوالے کر دے۔ وہاں لحہ بہ لحہ زائرین کا ایک سیلابی ریلہ

**"حیدر! حیدر! لبیک یا حیدر!"** کہتا ضریح کے پاس سے گذرتا ہے۔ اگر اس ریلے میں شریک ہو جائیں تو ضریح کا نیم طواف ہو سکتا ہے، بصورت دیگر، اپنی شخصی طاقت پر کوئی کمتر ہی ضریح کے پاس پہنچ پاتا ہے۔ بہر صورت، ہر زائر کی توجہ اِس بات پر جمی رہے کہ زیارت کا اصل مفہوم، مولیٰ کی خدمت میں عرضِ ادب اور حالِ دل بیان کرنے میں پوشیدہ ہے۔ جی ہاں! حالِ دل کا بیان اپنے اندر عجیب لذت رکھتا ہے۔ دراصل، اسلامی ادبیات میں حالِ دل کا بیان "مناجات" کا ایک اساسی رکن شمار ہوتا ہے۔ مناجاتِ الٰہی میں لذّت، کیف اور جذب و مستی کا عنصر، حالِ دل کے واقعی بیان ہی سے شامل ہوتا ہے۔ اور حال دل کا واقعی بیان یہ ہے کہ ایک تہی دست، کنگلا فقیر، اپنے آپ کو ایک ہر لحاظ سے غنی ذات کے دربار میں حاضر پا کر اپنے ٹوٹے دل کی کرچیاں اپنی دونوں ہتھیلیوں پہ رکھے اُس غنی کی بارگاہ میں یہ عرض کر رہا ہو کہ:

**پروردگارا! میرے پاس اس ٹوٹے ظرف کے سوا کچھ نہیں؛ میرے فقر پر رحم فرما!**

بارگاہِ الٰہی کے مقرّبین کی تعلیمات یہ بتاتی ہیں کہ اللہ تعالی نے ایسی دعاوں میں اپنی حتمی قضا کو بدل دینے کی طاقت رکھ دی ہے۔ (4) مناجاتِ الٰہی کی طرح مقرّبانِ بارگاہ الٰہی اور معصومین علیہم السلام کی زیارت میں بھی لذّت کا عنصر حالِ دل کے بیان سے شامل ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر زائرین اپنے مولیٰ و آقا کی خدمت میں اپنے تمام دکھوں، پریشانیوں اور مصیبتوں کا حال سناتے ہیں اور اُنہیں بارگاہ الٰہی میں اپنا شفیع بناتے ہیں۔ لیکن بعض زائرین بھی کمال کے لوگ ہوتے ہیں۔ میں ایک ایسے زائر کی بات کروں گا۔ یہ زائر جب مولیٰ امیر المؤمنین علیہ السلام کی ضریح کے پاس پہنچا تو اُس کی ساری توجہ اپنے مولیٰ کو ایک ایسی بیٹی کا حالِ دل سنانے پر لگی تھی جس نے خدا کی راہ میں کربلا کے میدان میں عون و محمد جیسے بیٹے، علی اصغر جیسے شیر خوار، علی اکبر و قاسم جیسے بھتیجے اور عباسؑ علمدار اور حضرت امام حسین علیہ السلام جیسے بھائی قربان کیے۔ لیکن یہ بیٹی کربلا میں لٹ جانے کے بعد کبھی اپنا بابا اور مولیٰ کی خدمت میں حاضر ہو کر حالِ دل بیان نہ کر سکی تھی۔

یقیناً اِس زائر کو حضرت زینب سلام اللہ علیہا کے اس قلق کا شدّت سے احساس تھا۔ لہٰذا وہ بی بی زینب سلام اللہ علیہا کا ترجمان بن کر آپ کے بابا کی بارگاہ میں بی بی کا حالِ دل اپنے الفاظ میں سنا رہا تھا۔ لیکن بہت مختصر۔ اُس نے کربلا کی ساری کہانی بیان نہیں کی اور نہ ہی کربلا کے ایک ایک شہید کی شہادت پر بی بی کے دل پر ٹوٹنے

والے کوہِ غم کا نوحہ سنایا۔ اُس نے بی بی کے حالِ دل کی ترجمانی کرتے ہوئے بس ایک ہی جملہ اپنے مولیٰ و آقا کی خدمت میں بیان کیا اور اُس کے بعد مصائب کے بحرِ بیکراں میں ڈوب گیا۔ وہ جملہ یہ تھا:

**"بابا! مجھے رسن بستہ، بازاروں اور درباروں میں لے جایا گیا!"**

زینب کی یہ مصیبت، کربلا کے تمام مصائب سے بڑی مصیبت تھی۔ اِس مصیبت پر جس قدر گریہ کیا جائے کم ہے۔ ایک بیٹی اپنے بابا کی خدمت میں اس سے بڑی کس مصیبت کا حال سناتی! بی بی کی چادر لوٹ لی گئی تھی اور آپ کو نامحرموں کے ہجوم میں کوفہ و شام کے بازاروں اور درباروں میں گھمایا گیا! درحقیقت، یہ مصیبت بی بی زینب (س) کی نہیں، عالمِ اسلام کی سب سے بڑی مصیبت ہے۔ اس لئے کہ سن 61 ہجری میں بھی لوگوں کا خیال یہ تھا کہ زینبؑ، علیؑ کی بیٹی ہے اور لوگ آج بھی یہی سمجھتے ہیں کہ زینبؑ، علیؑ کی بیٹی تھی۔ لیکن کوفہ کے دربار میں بی بی نے قیامت تک کے لئے اِس سوچ پر خطِ بطلان کھینچ دیا تھا۔ آپ نے اپنے خطبہ کی ابتداء میں فرمایا تھا: الحمد للہ و الصلاۃ علی ابی محمد! یعنی: "سب ثنائیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں **اور درود و سلام ہو میرے بابا محمد (ﷺ) پر!**" بی بی نے اپنے خطبہ میں واضح کر دیا کہ میں علی کی بیٹی ہونے سے پہلے محمد ﷺ کی بیٹی ہوں۔ لہٰذا جس مسلمان کا حضرت محمد ﷺ کے ساتھ کوئی رشتہ ناطہ ہے، اُس کا قیامت تک یزید اور یزیدی طرزِ تفکر کے ساتھ کوئی رشتہ ناطہ نہیں ہو سکتا۔ اور جسے ناموسِ رسالت کا کچھ پاس ہے، وہ وقت کے یزید سے نبی کی بیٹی کی چادر کا انتقام لئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ البتہ علی علیہ السلام کی بیٹی نے جہاں عام مسلمانوں کی یہ غلط فہمی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دور کر دی کہ علی کی بیٹی ہونے اور نبی کی بیٹی ہونے میں کوئی فرق نہیں، وہاں آپ نے یزید ملعون کی ایک غلط فہمی بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دور کر دی۔ یزید کا خیال تھا کہ وہ حضرت امام حسین علیہ السلام کو شہید کرکے حضرت علی علیہ السلام کا ذکر اور اہل بیت اطہار علیہم السلام کی یاد تک مٹا دے گا۔ لیکن بی بی نے دربارِ شام میں دوٹوک الفاظ میں یزید کو بتا دیا کہ:

"کِدْ کَیْدَکَ وَ اجْھَدْ جُھْدَکَ فَوَاللہِ الَّذِیْ شَرَّفَنَا بِالْوَحْیِ وَالْکِتَابِ وَ النُّبُوَّۃِ وَ الْاِنْتِخَابِ لَاتُدْرِکُ اَمَدَنَا وَ لَاتَبْلُغُ غَایَتَنَا وَ لَاتَمْحُو ذِکْرَنَا"

یعنی: "(اے یزید!) تو ہر حربہ اپنا لے اور اپنا پورا زور لگا لے! اُس اللہ کی قسم! جس نے ہمیں وحی، کتاب، نبوّت اور برگزیدہ ہونے کا اعزاز بخشا ہے، نہ تو ہمارے جیسی شان و شوکت حاصل کر سکتا ہے، نہ ہماری انتہاء کو پہنچ سکتا ہے اور نہ ہی ہمارا ذکر مٹا سکتا ہے۔" (5)

مولی علی علیہ السلام کی بیٹی کی پیشین گوئی کی صداقت کی گواہی نجف سے کربلا کے راستے پر لگے چند بینرز پر نقش ایک تسبیح کے عکس کے نیچے سرخ قلم سے لکھا یہ جملہ دے رہا ہے : "**لن تمحو ذکرنا**" (تو کسی صورت ہمارا ذکر نہیں مٹا سکتا !)

☆☆☆☆

## نینوی کے مسافر

چاہیے تو یہ تھا کہ میں ایک ہی نشست اور قسط میں یہ داستان مکمل کرتا، لیکن تساہل پسندی کی وجہ سے اس بار بھی یہ داستان مکمل نہ ہو سکی۔ دراصل، نجف سے کربلا کی طرف زائرین کے پیدل چلنے کی داستان رقم کرنا آسان نہیں ہے۔ یہ کہانی ایک ایسی مشکل اور مقدس کہانی ہے جسے لکھنے کے لئے کافی وقت درکار ہے۔ توفیق حاصل رہی تو ان شاء اللہ اسے مکمل کیا جائے گا۔ البتہ اس داستان کو مکمل کرنا اور اس کی تشہیر اس لئے ضروری ہے کیونکہ عصر حاضر کا پلید اور آلودہ میڈیا اسے کبھی پیش نہیں کرتا۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ میڈیا اگر اس کہانی کو لکھنا بھی چاہے تو نہیں لکھ سکتا۔ لیکن وہ لکھے گا کیونکر؟ بھلا صیہونیّت اور یزیدیّت کی تجوریوں پر چلنے والے عالمی میڈیا سے کب یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ نینوی کے مسافروں کی داستان اہلِ دنیا کے سامنے پیش کرے؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ استعمار کے آلۂ کار، حضرت امام حسین علیہ السلام کی للکار کو اہلِ اقطارِ عالم تک پہنچائیں؟ یہ نہیں ہو سکتا۔

یزید نے یہ چاہا تھا کہ کربلا کی کہانی، کربلا میں دفن ہو جائے اور عصر حاضر کی یزیدیّت بھی یہی چاہتی ہے۔ لیکن بی بی زینب (س) کے ماننے والوں نے آج بھی زینبی فریضہ انجام دینا ہے۔ لہٰذا ہر عزادار کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ نینوی کے مسافروں کی کہانی کی ایسی تشہیر کرے کہ یہ داستان مشرق و مغرب کے ہر زندہ ضمیر انسان کے عقل و قلب پر نقش ہو جائے۔ میں تو اِسی جذبے کے تحت اپنے حصّے کا فریضہ انجام دے رہا ہوں۔ آیا آپ بھی اس فریضہ کی انجام دہی میں کچھ تعاون فرما سکتے ہیں؟ ذرا سوچیں اور دعا فرمائیں کہ ہم جلد دنیا والوں کو نینوی کے مسافروں کی داستان موثر انداز میں سنا پائیں ! (آمین !)

# حوالہ جات

1 ۔ الشیخ محمد مھدی الحائری، شجرہ طوبیٰ، منشورات المکتبہ الحیدریہ، نجف الاشرف؛ ج1، ص 3۔العلامہ المجلسی، بحار الانوار، دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، ج53، ص303۔

2 ۔ https://www.facebook.com/notes/syed-asad-ali-kazmi

3 ۔ شیعہ نیوز کے مطابق اس سال (2014) 19 ملین زائرین حضرت امام حسین علیہ السلام کے چہلم میں حاضر ہوئے۔ جبکہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے حرم کے امام جمعہ نے چہلم کے موقعہ پر اپنے نماز جمعہ کے خطبے میں بتایا کہ اِس سال ایک کروڑ چالیس لاکھ (14 ملین) عراقی اور غیر عراقی زائرین نے چہلم کے موقعہ پر حضرت امام حسینؑ کے حرم کی زیارت کی ہے۔ لہٰذا اگر 14 ملین ہی کو مسلم تعداد مانا جائے تو یہ اندازہ لگیا جاسکتا ہے کہ اس تعداد میں سے اگر 6 ملین زائرین نجف و کربلا کے مابین یا دیگر راستوں پر اور باقی تعداد کا نصف نصف بھی نجف اور کربلا میں ہوں تو اربعین سے تین دن پہلے تک کم از کم 4 ملین زائر نجف میں موجود ہوتے ہیں۔

4 ۔ العلامہ المجلسی، بحار الانوار، دار احیاء التراث العربی، لبنان، بیروت، ج، 99، ص 55۔ حضرت امام رضا علیہ السلام کی زیارکے بعد کی منقول دعا میں یہ جملہ وارد ہوا ہے: اسئلك بالقدرة النافذة فی جمیع الاشیاء و قضائك المبرم الذی تحجبه بایسر الدعاء

5 ۔ الشیخ الطبرسی، الاحتجاج، دار النعمان للطباعۃ والنشر، النجف الاشرف۔1966؛ ج2، ص37۔